کروایا جا رہا ہے۔بس ایک طاقت کا نشہ اور پیسے کا حصول مجھ کو اس کام کی طرف لے آیا تھا۔

آخر ایک دن جب میں دوکان پر پرچی دینے گیا، تو مجھے پولیس نے گرفتار کرلیا۔میرے گھر والوں کو بھی تھانے جانے کے بعد پتہ چلا کہ ان کا بیٹا کن کاموں میں ملوث ہو چکا تھا۔دوسری طرف میں اس انتظار میں تھا کہ گروپ میں سے شاید کوئی میری مدد کو آئے، لیکن مجھے مایوسی ہوئی۔جن لوگوں کی خاطر میں نے اتنا کچھ کیا اور خطرے مول لیے، وہ مجھے چھڑانے نہیں آئے۔مجھے یہ اندازہ بھی نہیں تھا کہ میں جن لوگوں کے لیے کام کر رہا تھا وہ میرا ساتھ چھوڑ دیں گے۔مجھے احساس ہوا کہ میں ایک دلدل میں پھنس چکا تھا۔ہاتھ بڑھا کے تھامنے والا میرے سامنے کوئی بھی نہیں تھا۔ہاں کام آئے تو میرے اپنے گھر والے۔بہت کوششوں کے بعد میرے گھر والوں نے ضمانت کروائی، جس میں ۲ سے ۳ دن لگ گئے۔جس دن میں نکلا، میں نے توبہ کرلی کہ یہ تمام کام چھوڑ دوں گا۔گروپ کو چھوڑنا آسان نہیں ہے کیونکہ اس گروپ کے ممبر کے پاس گروپ کے راز ہوتے ہیں۔گروپ چھوڑنا خطرہ ہے اور مجھے بھی اس کے بعد مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور میں کچھ عرصے روپوش بھی رہا۔میں نے اس کام سے توبہ کرلی ہے اور کبھی بھی کسی گروپ کا حصہ نہیں بننا چاہتا۔مجھے احساس ہو گیا ہے کہ اپنے مقصد کی خاطر تشدد کرنا کسی صورت میں بھی جائز نہیں ہے۔میں نے یہ راستہ پیسہ اور طاقت حاصل کرنے کے لیے چنا، مگر آخر میں میرے حصے میں صرف ذلت آئی۔

احساس

کامران نجف: سلطانہ آباد

میری عمر ۲۰ سال تھی، جب میں گینگ میں شامل ہوا۔میرا ایک دوست سلطانہ آباد کے ایک گینگ کا ممبر تھا۔اس کے پاس پیسے اور طاقت کی فراوانی تھی۔وہ جہاں سے گزرتا تھا، لوگ اس سے ڈرتے اور اس کو سلام کرتے تھے۔وہ مہنگی گاڑیوں میں پھرتا تھا اور مہنگے کپڑے پہنتا تھا، ان ہی سب چیزوں نے مجھے اپنی طرف کھینچا۔میں، صرف یہ دیکھنے کے لیے اپنے دوست کو ملنے جانے لگا کہ اس کے پاس طاقت اور پیسے کہاں سے آئے ہیں، اور اسی طرح میں گروہ میں شامل ہو گیا۔گینگ میں رہتے ہوئے میں تشدد کی کاروائیوں میں ملوث رہا۔مجھے گینگ میں کبھی کوئی تربیت نہیں ملی، بلکہ اپنی حفاظت کے لیے خود ہی ہتھیار چلانا سیکھے۔گروپ کے لڑکوں کے ساتھ مل کر میں نے بینک بھی لوٹے۔جو بھی رقم لوٹی ہوتی، اس کی آپس میں برابر حصے کرتے تھے۔گھر والے پوچھتے تھے کہ یہ پیسے کہاں سے آتے ہیں، مگر میں ہر دفعہ کوئی بہانہ کر دیتا۔میں گھر پر بتاتا تھا کہ مجھے چھوٹے موٹے کام ملتے رہتے ہیں تو میں وہ کرتا رہتا ہوں۔اپنے کسی بھی جرم کے سلسلے میں نہ تو میں کبھی پکڑا گیا، نہ ہی کبھی جیل گیا تھا۔

پیسہ اور طاقت کا نشہ ایک دفعہ انسان کو لگ جائے تو اس سے جان چھڑانا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔مگر شاید میرے ساتھ میرے ماں باپ اور گھر والوں کی دعائیں تھیں۔خدا نے اس جہنم سے میری جان چھڑوائی تھی۔بس ایک دن بینک لوٹنے کے بعد مجھے پشیمانی ہوئی کہ میں نے اتنے لوگوں کو مارا، صرف اس پیسے کی خاطر۔ایسے پیسے کا کیا فائدہ اگر انسان کے دل میں سکون نہ ہو؟ میں پہلے بے روزگار تھا لیکن میرے دل میں سکون تھا۔مجھے کسی کا ڈر نہیں تھا۔گینگ میں آنے کے بعد پریشانی بھی رہتی تھی اور جان کا خطرہ بھی۔ڈر اور خوف کے اس احساس کے ساتھ جینا میرے لئے بہت مشکل ہو گیا تھا۔شاید آپ کے لئے اس ڈر کو محسوس کرنا ممکن نہ ہو؟ کہیں دور سے بم پھٹنے کی یا گولی چلنے کی آواز یا پھر ایک موٹر سائیکل کا آپ کے پیچھے آنا، ان سب چیزوں کا خوف مجھے اندر سے کھانے لگا تھا۔بس پھر میں روپوش ہو گیا اور اپنے خاندان کو بھی اس علاقے سے ایک محفوظ جگہ لے گیا۔اس کے بعد پاسپورٹ بنوایا، ویزا لگوایا اور دبئی چلا گیا۔میں نے گروہ چھوڑا تو ہے، لیکن مجھے ہر وقت یہی ڈر لگا رہتا ہے کہ کوئی مجھے مار نہ دے۔آج تک مجھے سکون حاصل نہیں ہوا، کیونکہ میں وہ وقت یاد کرتا ہوں جب میں نے لوگوں پر تشدد کیا۔

تشدد کے خلاف ابھرتی ہوئی آوازیں

کراچی پاکستان کا صنعتی وتجارتی مرکز ہے،مگر وقت کے ساتھ ساتھ قتل و غارت، بھتہ خوری، لوٹ مار اور غرضیکہ ہر غیر قانونی سرگرمی کا مرکز بھی بن چکا ہے۔ ذرائع کے مطابق ۲۰۱۱ء کے صرف چھ ماہ میں ۱۱۳۸ افراد ٹارگٹ کلنگ کا نشانہ بنے۔ کہیں ۲۰۱۱ء کی ایک رات ۲۰ گھروں میں صفِ ماتم بچھا جاتی ہے اور اکتوبر ۲۰۱۲ء میں پانچ دنوں کے اندر بائیس افراد صرف لیاری کے گردونواح میں قتل کیے گئے۔ ۲۰۱۳ء میں بھی یہ ظلم جاری ہے، ۲۰ مئی کو ۷ لوگوں کا قتل اور اس طرح کے دیگر واقعات منظرِ عام پر آئے ہیں۔ یہ حالات و واقعات بالخصوص نوجوانوں پر بری طرح اثر انداز ہو رہے ہیں۔ اس صورتحال کا ذمہ دار کون ہے؟ کن وجوہات کی بناء پر نوجوان اس کا حصہ بن رہے ہیں؟ بظاہر وہ کیا خوف یا ڈر ہے، جو لوگوں کو خاموش رہنے پر مجبور کر رہا ہے یا ان کی آواز کو ابھرنے نہیں دے رہا؟ اس تمام صورتحال کا حل تبھی نکل سکتا ہے، جب نوجوان اس کے خلاف آواز اٹھائیں گے۔ انہی آوازوں کی کھوج میں انڈ ویجوئل لینڈ پاکستان نے کراچی کے تین علاقوں لیاری، کورنگی اور سلطانہ آباد میں چند ایسے نوجوانوں سے بات کی، جو اس گینگ وار کا حصہ رہ چکے ہیں۔ غربت، تعلیم کا فقدان، بے روزگاری، لسانی وسیاسی وابستگیاں، دینی اختلافات، ریاستی اداروں کی بے حسی اور جرائم پیشہ افراد کا سیاسی جماعتوں کے ساتھ گٹھ جوڑ، وہ چند واضع وجوہات ہیں جو ہمارے سامنے آئیں۔ ایک بہت ہی اہم پہلو سامنے یہ آیا کہ نوجوان اس راستے کو اپناتے اپنی مرضی سے ہیں، مگر کسی گروہ کو چھوڑنا بہت مشکل ہے۔ کچھ نوجوان طاقت کے حصول کے لیے، کچھ پیسے کے لیے اور کچھ اسی تشدد کا نشانہ بننے کے بعد اس دلدل میں پھنس جاتے ہیں۔

ان میں سے چند کی سرگزشت ہم یہاں بیان کر رہے ہیں۔

خواب

مدداللہ: کورنگی

۱۶ سال کی عمر میں گینگ کا حصہ بنا، جب میں سکول میں پڑھتا تھا۔ ہم دوست بہت شرارتی تھے، کسی نہ کسی سے لڑائی ہو جاتی تھی۔ ہمارا خواب تھا کہ ہم بہت سارا پیسہ کمائیں۔ پھر ایک دن ہم نے سکوٹر چرایا اور ان پیسوں سے اپنے شوق پورے کیے۔ بس وہاں سے اس سب کی ابتداء ہوئی۔ کورنگی کے حالات بہت خراب تھے اور ان حالات کو دیکھتے ہوئے ہم گینگ میں شامل ہو گئے۔ گینگ والے چھوٹا موٹا کام نکالنے کے لیے ہمیں پیسے دے دیتے تھے۔ ان کا بھی مسئلہ حل ہو جاتا تھا اور ہمارا بھی فائدہ ہو جاتا تھا۔ میں اچھے گھرانے سے تعلق رکھتا ہوں، پڑھا لکھا ہوں۔ کوئی والدین یہ نہیں چاہتے کہ ہمارا بچہ خراب ہو جائے۔ جب میں اس سب میں شامل ہوا تو میرے والدین پریشان ہوتے تھے کہ یہ کس کام میں پڑ گیا ہے، ڈانٹ بھی پڑتی تھی۔ میرے ذہن میں یہ غلط سوچ پروان چڑھ گئی تھی، کہ حق مانگنے سے نہیں ملتا، چھیننا پڑتا ہے اور اگر چھیننے پر کوئی نہیں دیتا تو اس کو مار دیں گے۔ مجھے پیسہ چاہیے تھا اور اس کام میں زیادہ محنت نہیں کرنی پڑتی، اس لیے میں گینگ میں آیا۔

کئی دفعہ پولیس چیکنگ کر لیتی تھی اور ہم ان سے لڑتے بھی تھے۔ ایک دفعہ چیکنگ میں میری جیب سے پستول نکلا، تو وہیں پیسے دے کر جان چھڑا لی۔ پیسہ اکٹھا کرنے کے لیے ہم بھتہ لیتے تھے، نشے اور جوئے کے اڈے بھی چلاتے تھے۔ علاقے کی صورتحال روز بروز بگڑتی گئی اور میری زندگی بھی مشکلات سے بھر گئی۔ شاید صحیح کہا جاتا ہے کہ پیسے سے سکون نہیں ملتا۔ میرے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا۔ پیسہ تو آ گیا، مگر میرا ضمیر مطمئن نہ تھا۔ روز بروز لوگوں پر تشدد کرنے اور لوٹ مار سے مجھے بے حسی کا احساس ہونے لگا تھا۔ جب یہ احساس ایک حد سے تجاوز کرنے لگا تو میں نے اس کام سے توبہ کرنے کی سوچی۔ میں نے اپنا علاقہ چھوڑ دیا اور سب رابطے ختم کر دیے۔ اب میں ایک روپوش زندگی گزار رہا ہوں۔ ہر چیز کا ایک اختتام ہوتا ہے، بس میں لوگوں پر ظلم کر کر کے تھک گیا تھا اور میں اس سب سے دور جانا چاہتا تھا۔ میرے پیسے کا خواب ایک ڈراؤنے خواب میں تبدیل ہو گیا تھا، جس کو میں بھول جانا چاہتا تھا۔ پھر ایک دن خدا نے میری دعا سن لی اور مجھے واپسی کا ایک موقع فراہم کر دیا جس کیلئے میں اس کی ذات کا جتنا شکر ادا کروں وہ کم ہے۔ اس تلخ ماضی کو بھلانا شاید اتنا آسان نہ ہو، مگر اب میں اس سب سے دور ایک نئی زندگی کا آغاز کرنا چاہتا ہوں اسی لئے اب میں اس سب سے بہت دور آ گیا ہوں اور واپس نہیں جاؤں گا۔ اگر جاؤں گا تو ظلم کا بازار دوبارہ گرم ہو جائے گا، اس لیے اب واپس نہیں جانا چاہتا۔

طاقت کا نشہ

جاوید نسیم: لیاری

۱۹ سال کی عمر میں دوستوں کے ہمراہ گلی محلے میں بیٹھنا شروع کیا۔ اس وقت اکثر محلے سے گینگ کے لڑکے گزرا کرتے تھے۔ نوجوانی کے دور میں میرے لیے یہ بات بہت اہمیت رکھتی تھی کہ ان لڑکوں کو سب سلام کرتے تھے۔ ان کے پاس نئی موٹر سائیکل اور نئے کپڑے تھے۔ جس دوکان پر بھی جاتے اور جو مرضی کھاتے، پیسے نہیں دینا پڑتے تھے۔ جبکہ ان کے پاس پیسے کی کوئی کمی نہیں تھی اور بہت عیاشی والی زندگی گزار رہے تھے۔ مجھے بھی اور نوجوانوں کی طرح پیسے کی کشش نے اپنی جانب کھینچا اور رفتہ رفتہ ان لوگوں سے سلام دعا بڑھنے لگی۔ ایک دن ان لڑکوں نے مجھے پرچی دی اور کہا کہ یہ دوکان پر دے آؤ۔ مجھے اس کام کے اور دیگر چھوٹے موٹے کاموں کے پیسے ملتے تو میں خوش ہو جاتا۔ مجھے ایسا لگنے لگا جیسے میرا نام روشن ہو گیا ہے اور مجھے طاقت مل گئی ہے۔ اسلحہ کو ہاتھ میں لینا اور چلانا میرے لیے ایک نئی چیز تھی۔ اسی طاقت کے نشے میں ان لوگوں کے کہنے پر کسی کو ڈرانا دھمکانا میرا ایک مشغلہ بن گیا تھا۔ میں جس گروہ میں تھا وہ پانچ سے چھے افراد پر مشتمل تھا، ہمارا لیڈر حکم دیتا تھا اور ہم اس کے حکم کی تعمیل کرتے۔ میں کسی بھی ہدایت کے اصل مقاصد نہیں جانتا تھا، کہ مجھ سے یہ سب کیوں